حضرت مولانا انور شاہ محدثؒ کی درسی تقاریر

از

مولوی سید محمد فاروق بخاری، لیکچرر شعبۂ عربی گورنمنٹ کالج سوپور

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ اپنے دور میں جہاں اپنی وسعتِ علمی اور حفظ و فراست میں معروف و مشہور ہوئے وہیں ایک مدرس کی حیثیت سے بھی اپنے وقت میں لاثانی ثابت ہوئے۔ جس وقت وہ دارالعلوم میں علم حدیث کا درس دیتے تھے۔ اس وقت ہندوستان کی سرزمین میں جلیل القدر مدرسین کا چراغاں تھا۔ مگر اس کے باوجود حضرت شاہ صاحب کے طریقۂ درس و تدریس نے ایک انفرادی حیثیت حاصل کی۔ بلکہ انہی کے طفیل دارالعلوم دیوبند عالم اسلام کی توجہ کا مرکز بنا۔

قبل اس کے کہ ہم حضرت شاہ صاحب کے "امالی" پر کچھ لکھیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے بحیثیت مدرس پر تھوڑی سی روشنی ڈالی جائے۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے اس موضوع پر ہی ایک بسیط مضمون لکھا ہے۔ مگر اپنے مخصوص طرز نے یہاں مولانا گیلانی کو دور دور تک پہنچایا ہے اور موضوع زیر بحث کو بہت کم مس کر پائے ہیں۔ اگرچہ اس سے انکار نہیں ہے کہ یہ مقالہ اہم معلومات بالخصوص تفردات انور شاہ کا بہترین مجموعہ ہے۔ مولانا گیلانی کے علاوہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا محمد ادریس

۱؎ فیض الباری علی صحیح البخاری، مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۲۰-۲۳

۲؎ حیاتِ انور: طبع دوم ص ۱۳۶-۱۴۸

اور مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ نے بھی جامع الفاظ میں حضرتؒ کے درسی خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے۔[1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح حفظ و ذکا اور علم و تقویٰ ان کے وہبی کمالات ثابت ہوئے ایسے ہی تدریسی کمالات سے بھی وہ فطرۃً آراستہ تھے۔ جب وہ دارالعلوم دیوبند میں ایک مدرس کی حیثیت سے پہلے ہی دن درسگاہ میں داخل ہوجاتے ہیں تو ان کا اندازِ درس طلباء و مدرسین کے درمیان موردِ بحث بن جاتا ہے۔ مولانا محمود احمد نانوتوی صدیقی اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہیں:

" خوب یاد ہے کہ جب دفتر سے اس کا اعلان ہوا (کہ فقہ میں ہدایہ اولین اور ادب میں مقاماتِ حریری نئے استاد پڑھائیں گے) تو طلبہ نے اس کا خیر مقدم نہیں کیا بلکہ چہ میگوئیاں تھیں کہ ہدایہ اور مقاماتِ حریری جیسی کتابیں ایک نئے مدرس کے یہاں رکھ دینا غلطی ہے۔ مگر ہوا کیا۔ دارالعلوم کے اس وقت کے نقشہ کے حساب سے نودرہ کے جنوب میں جو آخری درسگاہ تھی اس میں پہلے ہی دن کے درس سے وہ طلبہ جو حسبِ عادت نئے مدرس کو تنگ کرنے کے لئے خوب تیار ہوکر گئے تھے وہ حیرت زدہ ہوکر دھوم مچا رہے تھے اور بول رہے تھے واللہ انہ بحرٌ لاساحِلَ لہ۔ یہ الفاظ ایک مستعد قازانی طالب علم مولوی محمد جان ترکی کے تھے۔ ہفتہ بھر میں ہی آپ کی جملہ علوم و فنون میں ایک مجتہد کی حیثیت سے اس طرح شہرت ہوگئی کہ جیسے کوئی شخص خلافِ عادت عرش سے اتر پڑا ہو۔"[2]

" اسی پہلے سال کے شروعِ درس سے چند روز کے اندر اندر آپ کی ہیبت

---

[1] مولانا انور شاہ کشمیری: حیات اور کارنامے، علیگڈھ ۱۹۸۳ء: ملاحظہ ہو پیش لفظ"

[2] حیات انور: طبع دوم ص ۵۹ - ۶۰

مثل درسی عظمتوں کے شور وغل سے بعض فاضل مدرسین میں بھی بشری رنگ ابھر آیا اپنے درسوں میں وہ یہ کہتے ہوئے سُنے گئے کہ کشف الظنون سے کتابوں اور مصنفین کے اسامی رٹنے میں وقت ضائع کرنے والے بھی دنیا میں مولوی ہوتے ہیں۔ پھر اصل حقیقت سامنے آجاتے پر وہی اساتذہ اخیر تک آپ کی رفعتوں کو سر اونچا کرکے جھانکتے ہوئے خدا کی اس مَوْہِبَتِ عُظمٰی کا برملا اقرار فرماتے تھے اور تلمیذ انہ انداز سے استفادہ کی فرصتوں کو ضائع نہ ہونے دیتے تھے

فرحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً"۔ ؎

حضرتِ شاہ صاحب کے درسی کمالات نے نہ صرف ان کو عظمت و بلندی کے اونچے مقام پر فائز کیا بلکہ اس سے دارالعلوم دیوبند کو چار چاند لگ گئے دیوبند کے شدید مخالفین بھی دب گئے اور سنجیدہ مخالفین نے اپنے اختلافات کو ایک طرف رکھکر دوستی و محبت کا قدم آگے بڑھایا۔ حضرت ہی کے زمانے میں جب کہ درس کی شہرت اوج کمال پر تھی، علیگڈھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر صاحبزادہ آفتاب احمد خاں مرحوم دیوبند تشریف لائے اور حضرت کے درس میں شمولیت کی اور درس ختم ہونے پر اپنا تاثر ان الفاظ میں پیش کیا :-

"آج آکسفورڈ اور کیمبرج کے لیکچر ہال کا منظر سامنے آیا۔ یورپ کی ان یونیورسٹیوں میں پروفیسروں کو جیسے پڑھاتے ہوئے میں نے دیکھا آج ہندوستان میں میری آنکھوں نے اسی تماشا کو دیکھا۔ ؎"

؎ حیات انور طبع دوم ؎ حیات انور: طبع اول بحوالہ انوار الباری ج ۲ صـ ۲۴۵

یہ آپ کی تدریسی شان ہی ہے جس نے مولانا ابوالکلام آزاد کو بھی آپ کو مدرسۂ عالیہ کلکتہ لانے کے لئے بے چین کر رکھا تھا[1]۔ اور اسی نے شیخ الہند کو مولانا آزاد کی درخواست تسلیم نہ کرنے پر مجبور کیا اور آپ کے بدلے اپنے دوسرے شاگرد مولانا حسین احمد مدنی کو بھیجنا منظور کیا[2]۔ جب شاہ صاحب نے دارالعلوم دیوبند سے قطع تعلق کیا تو ڈابھیل کے معمولی مدرسے نے دوسرے دیوبند کی صورت اختیار کی اور دو ایک سال کے اندر اندر یہ حال ہوا۔ جیسا کہ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں "مولانا انور شاہ صاحب مولانا بشیر احمد اور مولانا سراج احمد نے یہاں دوسرا دیوبند قائم کیا۔ بہت سے سرحدی اور ولایتی، بنگالی اور ہندوستانی طالب علم بھی ان کے ساتھ آئے اور چند سال تک زور و شور سے ان صاحبوں کا وہاں درس جاری رہا[3]۔

جاننے والے ہمیں یہ خبر دیتے ہیں کہ درس حدیث میں حضرت شاہ صاحب مختاراتِ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تائید میں مواد پیش کرنے کی ممکن بھر کوشش کرتے تھے۔ عقائد اور معاملات میں بھی وہ اپنے اسلاف سے سرمو منحرف ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔ تدریس و تعلیم کے اس طرز سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو ظاہر ہے مانوس اور متاثر نہیں ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ فکر و نظر کی آزادی یہاں محدود تھی۔ یعنی حضرت شاہ صاحب، غیر مقلد ہونے کے باوجود مقلد نظر آتے ہیں۔ مگر ان ساری باتوں کے باوجود حضرت کی تحقیق کے آگے یہ تقلید، تقلید نہیں رہتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب اگرچہ اپنے شیوخ و اکابر کے نقوش

---

[1] ذکر آزاد: عبدالرزاق ملیح آبادی، مطبوعہ کلکتہ ص ۴۸-۴۹۔
[2] نقش حیات حضرت مدنی [3] "معارف" اپریل ۱۹۵۰ء

ہی پر گامزن تھے مگر وہ تقلیدی طور پر ایسا نہیں کرتے تھے بلکہ تحقیقی طور پر کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی بے پناہ وسعتِ علمی سے دکھایا کہ ہمارے بزرگان دین ہی حق پر تھے اور پھر اس حق کو آفتاب کی طرح نمایاں کرتے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرتؒ نے ہم عہد ہندوستان میں سب سے پہلے تنقید کا معیار بلند کیا۔ جو افراط و تفریط سے پاک ہے۔ علماء دیوبند میں پہلے حضرتؒ نے ہی حافظ ابن تیمیہؒ کی عظمت و جلالت کا دقیع الفاظ میں اعتراف کیا۔ اور جگہ جگہ ان کے اقوال و افادات پیش کئے۔ دوسری طرف بلا کا حافظہ اور استحضار تھا۔ ان ساری چیزوں نے مل کر ان کے درس کو قابلِ رشک بنا دیا۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ بڑے موثر الفاظ میں لکھتے ہیں:۔

"حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درس حدیث میں کچھ ایسی امتیازی خصوصیات نمایاں ہوئیں جو عام طور سے درس میں نہ تھیں اور حضرتِ شاہ صاحب کا انداز درس درحقیقت دنیائے درس و تدریس میں ایک انقلاب کا باعث بنا۔"[۵]

حضرت شاہ صاحبؒ ہندوستان کی اسلامی درسگاہوں کے مدرسین میں وہ منفرد مدرس تھے جن کے سامنے درس و تدریس کے چند اصول اور قواعد تھے۔ وہ خود فنا فی العلم تھے۔ اُن کے علم کو اُن کا قوتِ حافظہ ہر وقت تیار رکھتا تھا۔ دوسری طرف وہ ایک عالمِ دین ہونے کے باوجود علم میں تنگ نظر واقع نہ ہوئے تھے وہ علومِ عقلیہ اور علومِ جدیدہ سے بھی بہرہ ور تھے ان اوصاف و کمالات نے ان کو کامیاب بنا دیا۔ جو ان کی مجلس میں بیٹھتا وہ

---

۵ حیاتِ انور: طبع دوم ص ۲۳۵

جھومتا، اُن کے بعد پھر کبھی دارالعلوم دیوبند نے اس شان کا مدرس پیدا نہیں کیا
سنہ ۱۹۱۲ء میں جب علامہ رشید رضا مصری ندوۃ العلماء لکھنؤ یہاں سے مسلم یونیورسٹی
علیگڑھ اور آخر میں علیگڑھ سے دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تو علامہ مرحوم نے
یہاں یہ جاننے کی خواہش ظاہر کی کہ یہاں علم حدیث کیسے پڑھایا جاتا ہے حضرت
شاہ صاحب نے اس کی وضاحت اپنی جوابی تقریر میں جس طریقہ پر کی اُس کا
اندازہ اُسے پڑھکر ہی ہوسکتا ہے۔ اِس مختصر مگر پُرمغز تقریر میں درس و تدریس
کے قواعد اور ملحوظات بیان کئے۔ خاص طور پر "فقہ حدیث" اور "درس
الحدیث لہ" کی وضاحت کرکے بتایا کہ ہم کس طرح احادیث کو روایت و درایت
کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور یہ کہ ہم بحث کے دوران تحقیق مناط، تخرج مناط
اور تنقیح مناط کو کام میں لاکر فکر و فہم کا دامن بھی نہیں چھوڑتے۔ اسی طرح
پورے اعتماد کے ساتھ تائید مذہب حنفی کی بحث چھیڑ دی اور مثالوں سے
سمجھایا کہ ہم یہ تائید آنکھ بند کرکے نہیں کرتے بلکہ پہلے خوب تحقیق و تفحص کرتے
ہیں۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں کہ یہ تقریر سننے کے دوران علامہ
مصری بار بار یہ الفاظ دھراتے تھے۔

"مارأیتُ مثل هذا الاستاذ الجلیل قطُّ" ؂

علامہ رشید رضا مسلکاً شافعی تھے اور حضرت شاہ صاحب امام ابوحنیفہ
کے شیدائی۔ اس اختلافِ مسلک کے باوجود جب حضرت شاہ صاحب نے
اپنے درس و تدریس کے ضوابط بیان کئے تو علامہ نے یہ کہکر اپنے اطمینان کا
اظہار کیا۔

شیخ انور شاہ نے جو اصول میرے سامنے بیان کئے اور جو مسلک اپنے ...

لہ نفحۃ العنبر: مولانا محمد یوسف بنوری ص ۸۰، ؂ مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت: ج ۱۔

.... مشائخ کا مجھے بتلایا میں اس کو پسند کرتا ہوں" [1]

حضرت شاہ صاحب نے اپنے مسلک اور طریقہ درس کے بعد اس کا بھی صاف اعتراف کیا کہ مدرسہ ابھی طریقہ تعلیم میں اصلاح کا محتاج ہے اور پھر اپنے اصلاحی خیالات بیان کئے جن کو سن کر علامہ نے اپنی جوابی تقریر میں فرمایا

"حضرت! اصلاح طریقہ تعلیم کے متعلق جو خیالات میں نے آپ کے سنے ہیں میں ان کو غیبی بشارت سمجھتا ہوں" [2]

اس تقریر کے بعد حضرت شاہ صاحب نے پورے پندرہ سال تک نہایت تحقیق و اتقان کے ساتھ دیوبند میں درس دیا۔ اور اس دوران میں وہ ساری کمی پوری کر دی جس کی طرف علامہ مصری کے روبرو اشارہ کیا تھا۔ پھر تو حال یہ ہوا (بالفاظ علامہ سید سلیمان ندویؒ)

"حضرت شیخ الہند کے زمانۂ جنگ میں ہجرت کے بعد سے ۱۹۲۹ء تک صدر مدرسی کا عہدہ اس خوبی سے انجام دیا کہ چین سے لیکر روم تک ان کے فیضان کا سیلاب موجیں لیتا رہا" [3]

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔

اشتغل بتدریس سنن الترمذی	یعنی حضرت شیخ جامع ترمذی اور صحیح بخاری
وصحیح البخاری وانتهت الیه رئاسة	پڑھانے میں مشغول ہوئے اور پورے ہندوستان
تدریس الحدیث فی الهند	میں تدریس حدیث کی سرداری انہی پر
ولبقی مشتغلاً به مدة ثلاث	ختم تھی پورے تیرہ سال تک نہایت تحقیق
عشرة سنة فی تحقیق واتقان	اور رسوخ کے ساتھ یہ خدمت انجام دی
وتوسع فی نقل المذاهب ودلائلها	درس مذہب مختلفہ اور ان کے دلائل

---

[1] التربیۃ والتعلیم: یعنی تقاریر ثلاثہ علامہ رشید رضا مصری علیگڈھ ص ۱۲۱۔ [2] ایضاً ص ۱۲۷
[3] "معارف" جولائی ۱۹۳۶ء: شذرات

(۱) استحضار للنقول واطلاع علیٰ دواوین السنة وشروح الحدیث وکتب المتقدمین ۔ ۱؎

پوری شرح وبسط کے ساتھ نقل کرتے تھے یہ سارے نقول مستحضر تھے ۔ نیز علم حدیث کے جملہ ذخیرے اس کے شروح اور متقدمین کی تصانیف پر پوری آگاہی تھی ۔

یہ مولانا انور شاہ صاحب کی یگانہ تدریسی شان ہی تھی کہ اُن کے حلقۂ درس میں بیٹھنے والے ان کے دروس وتقاریر قلمبند کرنے کی ممکن بھر کوشش کرتے تھے ان کے معاصرین میں شاید ہی کسی عالم دین کے اتنی تعداد میں 'امالی' لکھے گئے ہونگے جتنے حضرت شاہ صاحب کی طرف منسوب ہیں ۔ ان میں چند زیور طبع سے آراستہ ہوگئے ہیں ۔ کچھ مخطوطات کی شکل میں ابھی تک یوں ہی پڑے ہیں اور کچھ اہل علم کے امالی ضائع ہوئے ہیں ۔ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے حضرتؒ کی ایسی کتابوں کا ذکر کیا ہے جن میں چودہ تصانیف ان کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں ۔ اور بالبقیہ سات آپ کے درسی تقاریر یا افادات ہیں جن کی آپ کے تلامذہ نے ترتیب دے دی ہے ۔ قاری رضوان اللہ صاحب نے مزید پانچ کتابوں کا اضافہ کیا ہے ۲؎ ۔ جو یہ ہیں ۔ (۱) دعوتِ حفظِ ایمان ۔ (۲) خلاصۂ تقاریر حضرت علامہ کشمیری ۔ (۳) النور الفائض علیٰ نظم الفرائض ۔ (۴) الاتحاف لمذہب الاحناف (۵) معارف السنن ؛ اگر معارف السنن بھی حضرتؒ کی فہرست تصانیف میں شامل کی جائے تو مولانا احمد رضا صاحب بجنوری کی ترتیب دی ہوئی دو کتابیں "انوار الباری علیٰ صحیح البخاری" اور "نطقِ انور" بطریقِ اولیٰ شامل کرنے کے قابل ہیں ۔ راقم کے پاس حضرتؒ کی ایک نظم ہے جس کی مولانا محمد ادریس سکھروڈوی نے شرح لکھی ہے یہ نظم "اکفار الملحدین فی شیء من ضروریات الدین" میں بھی

۱؎ نزهة الخواطر ج ۸ : ترجمة الشيخ انور شاه الكشميري

۲؎ مولانا انور شاہ کشمیری : حیات اور کارنامے ، مطبوعہ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

دیکھی جا سکتی ہے۔ مولانا سکھروڈوی کی یہ شرح "صَدْعُ النقاب عن جساسة الفنجاب" کے نام سے ۱۹۲۵ء میں مطبع قاسمی دیوبند سے شائع ہوئی ہے رسالہ چوبیس صفحات پر مشتمل ہے۔

اب ہم حضرتؒ کی درسی تقاریر پر روشنی ڈالتے ہیں۔ جو اِس مقالے کا موضوع ہے پہلے انہی "امالی" کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو گم ہوئی ہیں یا چوروں نے چرائی ہیں اور کتابوں میں صرف ان کا ذکر ملتا ہے۔ ممکن ہے کسی وقت کسی صاحبِ علم کے ہاتھ یہ آجائیں اِس طرح یہ علمی سرمایہ محفوظ رہے۔

(۱) امالی صحیح مسلم از مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی الحسنی (برادر اکبر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی):۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم حضرت شیخ الہند اور علامہ انور شاہ کشمیری کے اخص تلامذہ میں سے تھے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:۔

كان من اساتذته الكبار العلامة الكبير الشيخ انور شاه الكشميري وكان معجباً بجودة فهمه وحسن تقييده للدرس [1]	ان کے بلند پایہ اساتذہ میں علامہ الکبیر شیخ انور شاہ کشمیری تھے۔ جنھیں ان کے سرعتِ فہم اور اسباق سلیقہ سے لکھنے پر تعجب اور فخر تھا۔

ڈاکٹر صاحب موصوف بھی حضرت شاہ صاحب کے درسی تقاریر قلمبند کرتے تھے۔ ان کے ایک مکتوب سے جو انہوں نے معتمد انوریہ لائبریری دیوبند کو لکھا ہے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے شاہ صاحب کے پاس ابوداؤد پوری اور صحیح مسلم کا بڑا حصہ پڑھا تھا۔ اور دونوں کتابوں کے اہم تقاریر نوٹ کیے تھے۔ اسی خط میں لکھتے ہیں:۔

---

[1] البعث الاسلامی، لکھنؤ، عدد ممتاز شوال ۱۳۹۵ھ ص ۱۵۵

"حضرت کی تقریروں میں بعض ایسے مضامین ہوتے تھے جو حضرت سے پیشتر کسی نے بیان نہیں کئے" [1] مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی نظروں سے یہ مجموعہ گزرا ہے (بلکہ مطالعہ بھی کیا ہوگا) وہ لکھتے ہیں "کہ ان تقریروں پر مولانا انور شاہ صاحب کی نظر پڑی تھی اور انہوں نے ان کو پسند کیا اور کہیں کہیں اپنے قلم سے تصحیح و اضافہ بھی فرمایا" [2]

مگر حضرت مولانا ندوی افسوس کے ساتھ آگے لکھتے ہیں کہ

"یہ مجموعہ میری غفلت سے تلف ہوگیا کسی صاحب نے مطالعہ کے لئے لیا پھر واپس نہ کیا۔ بھائی صاحب مرحوم کو اس کا بہت افسوس رہتا تھا" [3]

ڈاکٹر صاحب نے مذکورہ بالا مکتوب میں لکھا ہے کہ اس مجموعہ کی دو اور فضلاء نقل لے لی تھی ایک جناب خواجہ عبدالحی صاحب فاروقی (شاگرد مولانا انور شاہ صاحب) اور دوسرے خلیل بن محمد الیمانی (مولانا ابوالحسن صاحب کے استاد) خدا کرے ان بزرگوں میں سے کسی کے پاس یہ مجموعہ موجود ہو۔

(۲) دوسرا مجموعہ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ کا لکھا ہوا تھا۔ اس کا انکشاف جناب مولانا سعید احمد اکبرآبادی مدظلہ نے کیا ہے۔ اپنے ایک مضمون میں مولانا اکبرآبادی صاحب لکھتے ہیں۔

"میں (مولانا اکبرآبادی صاحب) جس سال دورۂ حدیث میں تھا اس سال بھی یہ (حضرت مجاہد ملت) صحیح بخاری کی سماعت بڑی پابندی سے کر رہے تھے۔ اور میرے لئے حضرت شاہ صاحب کی تقریر قلم بند کرتے تھے۔ میرے پاس بھائی حفظ الرحمٰن صاحب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ دو موٹی موٹی کاپیاں محفوظ تھیں مگر

---

[1] بحوالہ انوار الباری ج ۲ ص ۲۵۷۔

[2] حیات عبدالحی، تذکرۃ المصنفین دہلی ص ۳۵۳۔ [3] ایضاً (حاشیہ ص ۳۵۳)

۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں جب گھر لٹا تو وہ کاپیاں بھی نہ رہیں۔ [1]

(۳) مجموعہ افادات مرتبہ مولانا قاری محمد طیب صاحب۔ مولانا مدظلہ نے بھی خود اس ضخیم مجموعہ کا ذکر کیا ہے۔ اس میں انہوں نے مختلف الانواع تحقیقات جمع کئے تھے مگر یہ مجموعہ بھی تلف ہوا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:۔

"میں نے اِن مختلف الانواع تحقیقات کو دیکھکر ایک املائی کاپی تیار کی جس کے چوڑے اوراق میں چھ سات کالم بنائے اور ہر کالم کے اوپر والے سرے پر فنون کے عنوان ڈال دیئے یعنی مباحثِ حدیث و مباحثِ تفسیر۔ مباحثِ عربیت (صرف و نحو) مباحثِ فلسفہ و منطق و مباحثِ ادبیات (جن میں اشعار عرب اور فصاحت و بلاغت کی بحثیں آتی تھیں۔ مباحثِ تاریخ وغیرہ۔ پھر فنونِ عصریہ کے لئے ایک کالم رکھا۔ کیونکہ موجودہ دور کے فنون جیسے سائنس، فلسفہ جدید اور ہیئت جدید وغیرہ کے مباحث بھی بذیلِ بحث حدیث میں آتے تھے۔ میں کالم وار اِن مباحث کو املا لیتا جاتا تھا۔ ان فنی مباحث کے کالموں کے سرنامہ پر عنوان تھا قال الاستاذ اِس میں وہ فیصلے درج کر لیا کرتا تھا جو مسائل کی تدقیق و تنقیح کے بعد بطورِ آخری نتیجہ کے حضرت یہ کہہ کر ارشاد فرمایا کرتے کہ میں کہتا ہوں"، افسوس کہ یہ بیاض جو تقریباً چار سو پانچ سو صفحات پر مشتمل تھی ایک کرم فرما طالب علم نے مستعار مانگی اور میں نے اپنی طالبعلمانہ ناتجربہ کاری سے چند روز کے لئے ان کے حوالہ کردی۔ انہوں نے وہی کیا جو کتاب کو عاریۃً مانگنے والے طلبہ کرتے ہیں یعنی چند دن کے بعد میرے مطالبہ پر فرمایا کہ میں تو دے چکا ہوں آپ کو یاد نہیں رہا" [2]

---

[1] الجمعیۃ (دہلی) مجاہد ملت نمبر ۱۹۶۳ء ص ۱۲۵ [2] حیات انور ص ۲۴۱۔

اس طرح سے یہ ذخیرہ جس کو حضرتؒ کے بہت ہی قریبی شاگرد نے کافی محنت کے بعد تیار کیا تھا کھو گیا۔

(۴) امالی از مولانا عبدالقدیر و مولانا عبدالعزیز: یہ دونوں حضرات مولانا انور شاہ صاحب کے تلامذہ میں سے ہیں۔ دونوں بزرگوں نے مدرسۂ اسلامیہ ڈابھیل میں درس بھی دیا ہے۔ مولانا عبدالقدیر نے ڈابھیل کے بعد مدرسۂ عربیہ فقیر والی ریاست بہاولپور میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے بھی کام کیا ہے ان دو فضلا نے بھی حضرت شاہ صاحب کے درسی تقاریر قلمبند کئے تھے جو معلوم نہیں آج موجود ہیں یا نہیں البتہ مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ نے فیض الباری علی صحیح البخاری" میں ان سے استفادہ کیا ہے اور کئی مقامات پر ان کا حوالہ بھی دیا ہے اور اقتباسات بھی پیش کئے ہیں جن کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں مجموعے تحقیقات و لوادرات کے گراں قدر خزانے ہونگے فیض الباری کے مقدمہ میں مولانا بدر عالمؒ نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے۔

فحمد اللہ عز وجل ما رزقنی من تقریری الفاضلین اللذین قرأ علیه الصحیح ثلاث مرات وضبطا عنه ما ضبطا بعد تدرب لیل ونهار اعنی بهما الفاضل عبدالقدیر وعبدالعزیز الاستاذین بالجامعة الاسلامیة فلا اعمط برهما مادمت حیا یعنی اللہ کا شکر ہے کہ مجھے دو ایسے فضلا نے تقاریر عطا کئے جنھوں نے حضرت شاہ صاحب کے پاس تین مرتبہ صحیح بخاری کا درس لیا اور دن رات عادی بن کر دروس و افادت قلمبند کئے۔ میری مراد فاضل عبدالقدیر اور فاضل عبدالعزیز (کاملپوری) سے ہے جو جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے اساتذہ بھی ہیں۔ میں تادم آخر ان کے احسان کا شکر گزار رہونگا۔

باقی